رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۰۹۳

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ

چھپا دست ہمت میں زورِ قضاء ہے
مثل ہے کہ ہمت کا حامی خدا ہے

اخبار الحکم

ایڈیٹر شیخ یعقوب علی تراب احمدی عرفانی ابن یعقوب شیخ محمود احمد عرفانی

جلد ۲۳ قادیان دارالامان ۔ مورخہ ۲۱ ستمبر سنہ ۱۹۲۰ء نمبر ۲۹

فہرست مضامین

ڈائری

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خطبات حضرت کی نظر ثانی کے واسطے دیئے ہوئے ہیں۔ ۱۲ اور ۱۳ ستمبر کی درمیانی شب کو حضرت اقدس کی طبیعت میں کسی قدر نزلہ کی شکایت تھی۔ اور اسی وجہ سے حضور عشاء کی نماز میں تشریف نہ لا سکے۔ مگر اللہ کا احسان اور رحم ہوا کہ نزلہ زیادہ زور نہ پکڑ سکا۔ اور صبح کی نماز حضرت نے خود پڑھائی۔ اور ۱۳ر کو صبح کے سات بجے کالا ٹوپ نالی ایک نہایت ہی سرسبز پہاڑی کی سیر کو تشریف لے گئے۔ جو قیام گاہ سے قریباً ۷ میل دور ہے۔ چونکہ نزلہ کی وجہ سے کسی قدر ضعف تھا۔ خلاف معمول سواری پر تشریف لیگئے۔ کھانے اور نماز ظہر سے فارغ ہوکر حضور تھوڑی دیر کے واسطے لیٹ گئے۔ اور قریباً نصف گھنٹہ آرام فرماکر پھر پانی منگایا وضو کیا۔ اور میاں نیک محمد خان صاحب کو ساتھ لیکر تنہا پہاڑ کی چوٹی پر تشریف لے گئے۔ بلندی اور بالکل تنہائی کے مقام پر پہنچکر نیک محمدؐ کو حکم دیا کہ تم ایسی جگہ چلے جاؤ۔ جہاں سے تم مجھے نہ دیکھ سکو۔ اور میں تمہیں نہ دیکھ سکوں۔" نیک محمدؐ نے فوراً تعمیل ارشاد کی۔ حضور دعاؤں میں لگ گئے۔ اور دیر تک دعائیں کرتے رہے۔ حتے کہ قریباً دو یا اڑھائی گھنٹے حضور نے نہایت سوز و درد اور الحاح سے دعائیں کیں +

دعاؤں سے فارغ ہوکر حضور واپس تشریف لائے۔ نماز عصر پڑھائی۔ اور روانگی کا حکم دیا +

مکان پر پہنچکر شام اور عشاء کی نمازیں حضور نے خود پڑھائیں۔ طبیعت اللہ کے فضل سے اچھی ہے۔ مگر کسی ضعف ہے +

۱۴ر کی صبح کو پھر حضور کی طبیعت اچھی ہے۔ نماز صبح حضور نے خود پڑھائی۔ واپسی کے متعلق ابھی تک ٹھیک تاریخ مقرر نہیں فرمائی۔ غالباً ۳۰ر ستمبر تک یہاں سے واپس ہونگے۔ مگر ارادہ حضور کا راستہ میں بھی چند روز سیر وغیرہ کا ہے اسوجہ سے قادیان میں ورود مسعود کی تاریخ بھی ابھی سے عرض نہیں کر سکتا + ۔ ۔ ۔

(انوار احمدیہ پریس قادیان میں باہتمام شیخ یعقوب علی تراب احمدی عرفانی پرنٹر و پبلشر و پروپرائیٹر چھپا۔ اور تراب منزل سے شایع ہوا)

مکالمہ

دو آدمی اسٹیشن پر ریل کا انتظار کر رہے ہیں۔ ریل آتی ہے۔ اور وہ دونو سوار ہو جاتے ہیں۔ ریل چلنے لگی۔ پہلے آدمی نے دوسرے سے یوں خطاب کیا۔

پہلا آدمی۔ آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں۔

دوسرا آدمی۔ جناب! مدینۃ المسیح علیہ السلام سے آرہا ہوں؛

پہلا آدمی۔ آپ کس غرض کیلئے گئے تھے؛

دوسرا آدمی۔ مہدی زمان علیہ الرحمۃ کی بیعت کرنے کو گیا تھا؛

پہلا آدمی۔ (تعجب سے) مہدی کہاں اور کب۔

دوسرا آدمی۔ (احمدی) قادیان ضلع گورداسپور میں اور آغاز چودھویں صدی میں؛

پہلا آدمی۔ تمنے واقعی انکو مہدی اور مسیح الزمان مان لیا ہے۔

احمدی۔ جی ہاں۔

پہلا آدمی۔ تم نے اُن کو کیونکر سچا جانا؛

احمدی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مہدیؑ کے وقت سورج اور چاند کو ماہ رمضان میں گرہن لگیگا۔ سو وہ سنہ ۱۳۱۱ ہجری میں پورا ہو گیا نیز ہر صدی کے سر پر مجدد کے [illegible] سے بھی پتہ لگتا ہے۔ کہ موجودہ زمانہ میں بھی کوئی ضرور مجدد ہونا چاہیئے؛

پہلا آدمی۔ قادیان کتنی بڑی بستی ہے؛

احمدی۔ ایک قصبہ ہے۔

پہلا آدمی۔ کیا سب علماء نے مہدی (بقول تمہارے) کو سچا سمجھ لیا۔ یا کیا سلوک کیا؛

احمدی۔ علماء نے بموجب احادیث شریفہ ان کو کافر و ملحد و دجال کہا۔

پہلا آدمی۔ پھر تم نے کیوں کر انہیں سچا جانا اور کیوں علماء امت کے برخلاف کیا؛

احمدی۔ یہی زمانہ ہے۔ جسکے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ علماءہم اشر من تحت ادیم السماء۔ یعنے اسوقت علماء تمام روئے زمین کے لوگوں سے بدتر ہونگے۔

پہلا آدمی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو امت محمدیہ کے لئے تیس ۳۰ دجال کی بھی پیشگوئی فرمائی ہے۔ آخر وہ بھی تو پوری ہونی تھی؛

احمدی۔ بموجب حجج الکرامہ وہ تو پوری ہو چکی۔ اور اگر نہیں ہوئی تو بھی کیا ہوا کیا امت محمدیہ کی قسمت میں دجال ہی لکھے ہوئے ہیں۔ کوئی مصلح دیں اس امت میں نہیں آئے گا۔ اگر دونو کے لئے راہ کھلی ہے تو پھر سچے اور جھوٹے میں کیا مابہ الامتیاز ہے۔ اتنے میں دوسرا اسٹیشن آ گیا۔ اور پہلا آدمی چلنے کو تھا۔ کہ

احمدی۔ آپ بھی کبھی قادیان چلیئے گا۔

اترتا ہوا آدمی (انشاءاللہ کہا)

والسلام

علیٰ من اتبع الھدیٰ۔ خاکسار اللہ دتا احمدی جالندہری متعلم مدرسہ احمدیہ

قادیان

واپس مہاجران کمیٹی

اتوار ۲۲ ستمبر سنہ ۱۹۲۰ء خاکسار کے مکان پر ایک عام جلسہ مسلمانان لاہور کا منعقد ہوا۔ جس میں اون مہاجرین کی امداد کی تدابیر سوچی گئیں۔ جو واپس آرہے ہیں۔ یہ امر کسی سے مخفی نہیں ہے۔ کہ صوبۂ پنجاب سے جو مہاجرین ہجرت کر گئے تھے۔ وہ اپنی تمام جائداد و مال فروخت کر گئے تھے۔ اب چونکہ وہ واپس آرہے ہیں۔ یہہ ضروری ہے۔ کہ انہیں اوس جائداد کے حاصل کرنے میں امداد دی جاوے۔ اس غرض سے یہ ریزولیوشن منظور ہوا۔ کہ ایک کمیٹی بنام واپس مہاجرین کمیٹی لاہور بنائی جاوے۔ جو صوبۂ پنجاب کے مہاجرین کو اس کار خیر میں مدد دے۔ چنانچہ یہ کمیٹی بنائی گئی ہے۔ عام اطلاع کیلئے لکھا جاتا ہے۔ کہ اگر کسی مہاجر کو کمیٹی سے امداد لینی درکار ہو تو بلا تکلف امداد لے۔ اور یہہ کمیٹی ہر وقت اس امداد کیلئے طیار ہے۔ جہاں تک ممکن ہوگا یہہ کمیٹی ہر طریقہ سے پنجاب کے ہر ایک مہاجر کی جائداد واپس دلانے میں کوشش کرے گی۔ لہٰذا حسب ذیل پتہ پر خط و کتابت کیجاوے؛

پتہ

بدرالدین قریشی بیرسٹر ایٹ لا لاہور

(سکرٹری واپس مہاجران کمیٹی لاہور)

میری بیماری

ماہ اگست میں اتفاقاً ایک دن مجھکو بخار آگیا میں نے سمجھا کہ بخار معمولی ہے۔ مگر مجھکو اسوقت بڑی حیرانی ہوئی۔ جبکہ مجھے معلوم ہوا کہ مجھے محرقہ تپ ہو گیا ہے۔ بیماری بڑہتی گئی۔ زندگی بالکل خطرہ میں نظر آتی تہی۔ مگر خدا کا ہی فضل شامل حال ہوا۔ اسنے مجھے صحت دی۔ اسی سلسلہ میں مجھے ایک لمبے سفر پر جانا پڑا۔ کمزوری بہت تہی سفر لمبا تھا۔ تکلیف بہت ہوئی۔ راستہ میں میرا گھٹنا اتر گیا۔ چلنا۔ پہرنا۔ بیٹھنا۔ اٹھنا سب جاتا رہا۔ سب حمد ہے اس ذات کو جو بہت ہی اپنے بندوں پر رحم کرنیوالا ہے۔ اسی کے فضل سے میں مردہ کی حالت سے زندہ ہو گیا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

بہت سے احباب نے مجھے خطوط لکھے ہیں۔ ان سب کا میں شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ انکو جزائے خیر دے آمین۔ والسلام۔ (شیخ محمود احمد)

رُوئیداد جلسہ شکریہ خرید قطعہ زمین برائے تعمیر مسجد احمدیہ لنڈن

منعقدہ بمقام ڈائن کنڈ ریاست چنبہ مورخہ ۹ ستمبر ۱۹۲۰ء

۸ ستمبر ۱۹۲۰ء کو احمدی مبلغین کی طرف سے سیدنا امیر المومنین فضل عمر فخر رسل اولوالعزم حضرت خلیفۃ المسیح کے حضور میں قادیان سے ہوتی ہوئی ڈاک ولایت یہ خوشخبری لائی کہ پٹنی محلہ لنڈن میں مسجد احمدیہ کی تعمیر کیلئے ۴ بیگھہ زمین جس میں پہلے بھی ایک معقول مکان موجود ہے۔ خرید لی گئی ہے جسکا نقشہ اور تفاصیل ۸ ستمبر ۱۹۲۰ء کو بذریعہ رجسٹرڈ لیٹر بمقام کوہ ڈلہوزی وصول ہوئے:۔

یہ ایک ایسی خوش کن اور روح افزا خبر تھی۔ کہ اسکے سنتے ہی چہرے خوشی سے چمک اٹھے دل مسرت سے اچھل پڑے۔ اور سر سجدات شکر کے لیئے خدا کے حضور گر گئے:۔

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب جو ان دنوں رخصت پر ہیں۔ اور حضرت کی علالت کی خبر سنکر شملہ سے حضور کی عیادت اور علاج کی غرض سے ۲۴ اگست سے ڈلہوزی میں تشریف لائے ہوئے ہیں۔ ان کے دل میں اس موقع پر اظہار شکریہ کے کیلئے جلسہ خوشی منانے کی تحریک ہوئی جو سب دوستوں نے پسند اور حضرت امام نے منظور فرمائی اور فوراً ایک فہرست چندہ کھولی گئی۔ جسمیں تمام موجودہ اصحاب نے معہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح حصہ لیا۔ اور تجویز یہ پاس ہوئی۔ کہ تمام دوست اظہار خوشی کے طور پر کچھ اشعار بھی تیار کریں اور یہ جلسہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے کمال احسان اور کمال فضل کی خوشی کے اظہار میں کیا جاتا ہے۔ اسواسطے بلند سے بلند مقام اور اچھے سے اچھا سید ان اسکے واسطے تجویز کیا جائے۔ چنانچہ ۹ ستمبر جمعرات کا دن ڈائن کنڈ کا بلند بالا اور سرسبز مقام تجویز کیا گیا۔ اور حضرت امیر المومنین رضوان اللہ علیہ کی خدمت میں بغرض منظوری اور شمولیت جلسہ اور بے اختیاری نظم عرض کیا گیا جو حضور نے منظور فرمایا:۔

متواتر کئی دن سے ڈلہوزی جیسے پہاڑی مقام پر بھی بارش نہ ہونیکی وجہ سے کسی قدر میدانی گرمی کا رنگ آگیا ہے۔ اور ڈائن کنڈ جو جلسہ گاہ تجویز ہوا تھا۔ ہمارے قیام گاہ سے قریباً آٹھ میل کے فاصلہ اور تین ہزار فیٹ کی بلندی پر واقع تھا۔ اور وہاں جانا باعث تکلیف و کوفت نظر آتا تھا۔ مگر قربان جائیں۔ اس محسن ذات کے جسکی نظر تلب پر اور قلب کے باریک اور نہاں در نہاں خیالات وجذبات پر ہوتی ہے۔ اسنے رحم فرمایا۔ اپنی رحمت نازل کی۔ اور ۹ کی صبح کو خوب بارش برسا کر موسم ٹھنڈا اور خوشگوار کر دیا۔ اور اس طرح سے اس جلسہ پر نزول رحمت ہوکر خوشی دوگنی ہوگئی۔ جلسہ کا وقت ۲ بجے مقرر تھا مگر بارش کی وجہ سے روانگی میں قریباً ۱/۲ ۴ گھنٹہ کی دیر ہوگئی۔ اور اسطرح ۱/۲ ۱۰ بجے مکان سے روانہ ہوکر ٹھیک سوا دو بجے جلسہ گاہ میں پہنچے نماز ظہر ادا کی گئی۔ کھانا کھایا گیا۔ کھانے سے فارغ ہوکر ٹھیک چار بجے جلسہ کی کاروائی شروع ہوئی۔ اور جلسہ کی کاروائی شروع کرنے سے پیشتر پندرہ آدمیوں کا ایک خوبصورت گول حلقہ نہایت ہی سرسبز گھاس کے مخملی فرش پر بنایا گیا۔ اور سب سے پہلے عزیز عبدالقادر ولد حضرت عبدالرحمن قادیانی نے اپنی نظم بڑی جرأت اور دلیری سے پڑھی۔ نظم کیا تھی۔ اور کیا اس بیچارے کی بساط۔ ایک خوشی تھی جسکا اظہار اور ایک حکم تھا۔ جس کی تعمیل تھی۔ وہ نظم پڑھتا تھا۔ اور سامعین مارے ہنسی کے لوٹے جاتے تھے۔ اور اتنے ہنسے کہ پیٹ میں بل پڑ پڑ گئے۔ مگر اسنے ہمت نہ ہاری اور خوب سنائی۔ بالآخر حضرت نے فرمایا۔ نظم کیا خاصا سرمن روعظ ہے۔ اور اس کی جرأت اور جوش کی تعریف فرماکر دل بڑھایا:۔

اسکے بعد ذیل کی ترتیب سے دوستوں نے باری باری نظمیں اور رباعیاں پڑھیں یا پڑھوائیں چوہدری علی محمد صاحب نے اپنی تیار کردہ نظم خود پڑھکر سنائی۔ عبدالاحد خان کابلی نے فی البدیہہ اشعار پڑھے۔ سید محمود اللہ شاہ صاحب۔ میاں تقی الدین صاحب کا جیپش اور مرزا گل محمد صاحب نے اپنی رباعیاں سنائیں۔ مولوی رحیم بخش صاحب ایم اے ناظر تالیف واشاعت افسر محکمہ ڈاک۔ ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب میڈیکل ایڈوائزر حضرت خلافت مآب نے اپنی نظمیں خود پڑھیں۔ اور حضرت صاحبزادہ میرزا شریف احمد صاحب۔ حضرت صاحبزادہ میرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے۔ حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے اپنی نظمیں اور رباعیات مکرمی مولوی رحیم بخش صاحب ایم اے سے پڑھوائیں۔ اور بالآخر سیدنا امیر المومنین فضل عمر اولوالعزم فخر رسل حضرت خلیفۃ المسیح نے اپنی نظمیں بھی مولوی صاحب موصوف ہی کو پڑھنے کا حکم دیا اور رباعی خود زبان مبارک سے پڑھی:۔

نظموں کے پڑھا جانیکے بعد حضرت نے مرزا گل محمد صاحب کی رباعی کو سنکر ان کے خیالات کی تعریف کی۔ اور خوشی کا اظہار فرمایا اور مولوی رحیم بخش صاحب ایم اے۔ کی نظم پر فرمایا کہ آپ تو چھپے رستم نکلے۔ اسکے دعاء کے بعد جلسہ ختم ہوا:۔

سطح سمندر سے نو ہزار فیٹ کی بلندی پر ڈائن کنڈ کی ایک وسیع اور پر فضا چوٹی کے سبزہ زار پلیٹ فارم پر ایک طرف تو حضرت

خلافت مآب رضؓ اپنے چند مخلص خادموں سمیت افضال الٰہی کی یاد میں حمد و شکر کے گیت گا رہے تھے۔ دوسری طرف دفعتہً آسمان سے بادلوں کا جمگھٹ ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں پر سوار آیا۔ اور نہایت تیزی اور سرعت سے اپنے کھیل تماشے دکھانے لگا۔ بادلوں کا کھیل ایسا عجیب اور ایسا پُر لطف تھا۔ کہ اسے دیکھکر اللہ تعالےٰ کی قدرت کے مناظر اور عجائبات یاد آتے تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ حضرت اولوالعزم پر سے صدقے اور قربان ہونے کو ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا اور ہر ایک اپنے آپ کو پہلے نثار کرنا چاہتا ہے ۔

دعاء کے بعد نماز عصر ادا کیگئی۔ اور بعد میں دسترخوان دعوت بچھایا گیا۔ جو خادم مخدوم نے ملکر خوشی خوشی کھایا۔ اور اسطرح یہ جلسہ سب سے پہلے قادیان ہی کی غریب جماعت کو نصیب ہوُا۔ پس مبارک اے قادیان کی غریب جماعت مبارک کہ خلافت کی برکتیں سب سے پہلے تجھی پر نازل ہوتی ہیں ۔

نظمیں اور رباعیاں جس ترتیب سے سنائی گئیں۔ اسی ترتیب سے سوائے بعض کے درج ذیل کی جاتی ہیں :۔

از سیدنا امیر المومنین فضل عمر رضؓ فخر رسل حضرت خلیفۃ المسیح ثانی

تری محبت میں میرے پیارے ہر اک مصیبت اٹھائینگے ہم
مگر نہ چھوڑینگے تجھکو ہرگز نہ تیرے در پر سے جائینگے ہم
تری محبت کے جرم میں ہاں جو ہمیں ہی ڈالے جائینگے ہم
تو اسکو جانینگے عین راحت نہ دلمیں کچھ بھی خیال لائینگے ہم
سنینگے ہرگز نہ غیر کی ہم نہ اسکے دھوکے میں آئینگے ہم
جو کوئی ٹھوکر بھی مار یگا تو اسکو سینہ لگینگے ہم خوشی سے
ہمارے حال خراب پر گو ہنسی انہیں آج آرہی ہے
ہوُا ہے سارا زمانہ دشمن ہیں انکی بیگانی خوں کی پیاسے
یقین دلاتی رہے ہیں دنیا کو تیری الفت کا دعویٰ سے
پڑے کہیں پیچھے جو فلسفے کی انہیں خبر کیا کہ عشق کیا ہے
سمجھے کیا ہو کہ عشق کیا ہے یہ عشق بیمار و کٹھن بلا ہے
ہمیں نہیں عطر کی ضرورت کہ اسکی خوشبو ہے چند روزہ
ہمیں بھی ہے نسبت تلمذ کسی مسیحا نفس سے حاصل
مٹا کے نقش و نگار دیں اکو نوہی ہے خوش دشمن حقیقت
خبر ہی ہے کچھ تجھ کو او ناداں کہ مردم چشم یار ہیں ہم
خدا نے ہم کو خضر رہ بنایا ہمیں طریق محمدی کا
ہماری ان خاکساریوں پر نہ کھائیں دھوکا ہمارے دشمن
مٹا کے کفر و ضلال و بدعت کرینگے آثار دیں کو قائم
وہ شہر جو کفر کا ہے مرکز ہے جسپہ دین مسیحؑ نازاں!
پھر اسکے مینار پر سے دنیا کو حق کی جانب بلائینگے ہم
بس ایک تیرے حضور میں ہی سر اطاعت جھکائینگے ہم
کھینگے اپنی سزا ہی تھی زباں پہ شکوہ نہ لائینگے ہم
مگر کسی دن تمام دنیا کو ساتھ اپنے رلائینگے ہم
جو تو نے بھی ہم سے بے رخی کی تو پھر تو بس مر ہی جائینگے ہم
جو آج تو نے نہ کی رفاقت کسی کو کیا منہ دکھائینگے ہم
مگر میں ہم رہ رو طریقت ثمار الفت ہی کھائینگے ہم
جو اسکی فرقت میں ہم پہ گزری کبھی تو قصہ سنائینگے ہم
بوئے محبت اسکی اپنے دماغ و دل کو بسائینگے ہم
ہوُا ہے بے جان گو کہ مسلم مگر اب اس کو جلائینگے ہم
جو پھر کبھی بھی نہ مٹ سکیگا اب ایسا نقشہ بنائینگے ہم
اگر ہمیں کج نظر سے دیکھا تو تجھ پہ بجلی گرائیں گے ہم
جو بھوُلے بھٹکے ہوئے ہیں ان کو صنم سے لاکر ملائینگے ہم
جو دیں کو ترچھی نظر سے دیکھا تو خاک انکی اڑائینگے ہم
خدا نے چاہا تو کوئی دن میں ظفر کے پرچم اڑائینگے ہم
خدائے واحد کے نام پر اک اب انمیں تسجد بنائینگے ہم
کلام رب رحیم و رحمٰن بہ بانگ بالا سنائینگے ہم

۴ رباعی ۴

مرکز شرک سے آوازۂ توحید اٹھا
دیکھنا دیکھنا مغرب سے ہے خورشید اٹھا
نور کے سامنے ظلمت بھلا کیا ٹھیرے گی
جان لو جلد ہی اب ظلم صنادید[1] اٹھا

[1] معبودان باطلہ یا ہیچ

از میر ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحب

شکر صد شکر کہ لندن سے یہ آئی ہے نوید
مرکز کفر میں مسجد کی زمیں لی ہے خرید
بالیقین وقت یہی ہے کہ منور کردے
وادیٔ ظلمت تثلیث کو نور توحید
جب مؤذن کہے مینار پہ اللہ اکبر
اس گھڑی سمجھو کہ بر آئی ہماری امید
بانیٔ مسجد لندن ہے مسیح موعود
ثانیٔ مسجد اقصٰے ہے یہ مغرب کی کلید
ہمنشیں دیکھ! ذرا چشم بصیرت وا کر
کیا یہی تو نہیں مغرب سے طلوع خورشید"
وقت ہے وقت کہ یورپ کو کرو شرک سے پاک
اٹھو! اے جاں نثاران لوائے توحید
جب تلک جان و تن و مال نہ قربان کردیں
مابداں مقصد عالی نتوانیم رسید
احمدی! تجھکو ہی سب بوجھ اٹھانا ہوگا
آسماں بار امانت نتوانست کشید
للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست
آخر آمد زپس پردہ تقدیر پدید!

رباعی نمبر ۱

ہوگی تعمیر مسجد لندن
گولہ برسے گا کفر پر دن دن
جونہی اونچا ہو نعرۂ توحید
بند ہو جائے چرچ کی ٹن ٹن

رباعی نمبر ۲

ہوگیا تیار انگلستان کی چڑیوں کا جال
گا ئینگی وہ نغمۂ توحید ربّ ذوالجلال
مہدیٔ آخر زماں کا کشف کیا پورا ہوا
اس سے بڑھکر چاہتا کیا ہی عدوِ بدخصال

رباعی نمبر ۳

جلسۂ مسجد لندن ہوا بر ڈاٹن گرنڈ
شاعر و ماعر و طائر کئے جمع ہیں یا جھنڈ
دین اسلام کا پرچم ہوا مغرب میں کھڑا
دجل و تثلیث پڑے پھرتے ہیں ہر چا پر ملند مند

نظم از حضرت میرزا بشیر احمد صاحب ایم-اے

آج دل مسرور ہے اپنا طبیعت شاد ہے
مسجد لندن کی رکھی جا چکی بنیاد ہے
ہے بنا اسکی خدا کے فضل پر اور رحم پر!
جو بنا اسکے مقابل پر ہے وہ برباد ہے
نعرۂ اللہ اکبر اس سے اب ہوگا بلند
شرک کے مرکز میں یہ توحید کی بنیاد ہے
چشم بدبیں کور ہو دست مخالف ٹوٹ جائے
دل وہ غارت ہو جو اسکو دیکھکر ناشاد ہے
ہوش میں آ دشمن بدخواہ اپنی فکر کر!
سر اٹھا کر دیکھ رب خلق بالمرصاد ہے
اے خدا اب جلد لا وہ دن کہ ہم یہ دیکھ لیں
بند طبع مسلم ناشاد پھر آزاد ہے!!
ہائے وہ اسلام وہ مسلم کدھر کو چل بسے
نے وہ شیریں ہی رہی باقی نہ وہ فرہاد ہے
دین حق اک صید ہے مقہور تحت دام کفر
ہر طرف آواز شور و غوغائے صیاد ہے
اے خدا اسلام کی کشتی کو طوفاں سے بچا
ہم غریبوں کی تری درگاہ میں فریاد ہے
یاس کا منظر ہے لیکن دل میں امید و نسیم پر
یاد ہے ہمکو ترا وعدہ خدایا یاد ہے
رحم فرمایا خدا نے سن کے بندوں کی پکار
آگیا مرد خدا جو فرد ہے استاد ہے
کہنا مغرب کو پڑیگا اب سر تسلیم خم

چل رہی مشرق سے باد نصرت و امداد ہے
آگیا مہدی مسیح وقت مامور خدا
اب نہ وہ جور و ستم ہی ہے نہ وہ بیداد ہے
اب گیا وقت خزاں اور آگیا وقت بہار
باغ احمد میں ہوا پھر سبزۂ نوزاد ہے
ہر طرف پھیلے مبشر خدمت دیں کے لئے
خاص انگلستان میں بھی پہنچا ہوا استاد ہے
دل ہے حمد و شکر سے لبریز اور سر در سجود!
جان ہے پُر از مسرت اور طبیعت شاد ہے
صد مبارک صد مبارک خادمان دین حق
مسجد لندن کی رکھی جا چکی بنیاد ہے۔
اب ترانہ ہو چکا روز جزا بھی یاد کر
اے بشیر خستہ جاں قول بلیٰ بھی یاد کر

رباعی

آج خوش ہر خادم و مخدوم ہے
مسجد لندن کی ہر سو دھوم ہے
ہے یہ مغرب سے طلوع آفتاب
اس سے جو بھاگے وہ مجہو بوم ہے

از حضرت میرزا شریف احمد صاحب

مبارک ہو تمہیں لندن میں مسجد کا بنا کرنا
زمین کفر میں اللہ اکبر کی ندا کرنا
ہو فضلوں کے وارث تم کہ تم جو کام کرتے ہو
ہوا کرتا ہے مقصد اس سے بس راضی خدا کرنا
خدا کی راہ پر بس ایک تم ہی چلنے والے ہو
کہ آساں جانتے ہو مال کو جاں کو فدا کرنا
ستم تم پر ہوئے لیکن تم نے راستی چھوڑی
نہ کچھ خاطر میں لائے ظالموں کا تم جفا کرنا
خدا نے امتحاں کے طور پر بہیں شکلیں بھیجیں
نہ کچھ مقصد تھا ان آفات سے تمکو فنا کرنا
فضیلت اسنے دی ہے آج تمکو ساری دنیا پر

تمہیں بھی چاہئے اب شکر نعمت کا ادا کرنا
پھنسا سارا جہاں ہے آج کفر و شرک و بدعت میں
ہمی وہ ہیں جنہوں نے ہے اسے اِن سے رہا کرنا
رہی تثلیث ہے توحید پر مدت تلک غالب
تمہارے ہاتھ سے اللہ نے ہے اس کو فنا کرنا
وہ یورپ جو بہت تثلیث کا ہے آج دلدادہ
وہی توحید پر جاں فخر سمجھے گا فدا کرنا۔
خدا خود ہی مٹا دیگا انہیں جواب نہ مانینگے
ہمارا کام ہے اللہ اکبر کی صدا کرنا؛
یہی ہے کام خدام محمدؐ کا میرے پیارو!
جو خود سے ہو سکے کر کے خدا پر آسرا کرنا؛
یہ سب ادیان باطل زیر ہو جائینگے آخر میں
نہ انکے زور کو تم دیکھ کر پروا ذرا کرنا
الٰہی عہد کا اب وقت یارو آن پہنچا ہے۔
خدا نے کفر کی ہے زندگی کا گل دیا کرنا؛
جو ہیں حساد و بدبیں ہونگے وہ ہی خائب و خاسر
ہے ان کی جھوٹی امیدوں کا اسنے خاتمہ کرنا
خدایا شاد رکھیو دین حق کے جاں نثاروں کو
نہ اپنے سایۂ رحمت سے تو ان کو جدا کرنا
پیارے بخش دیجو اپنے اس ناچیز اصغر کو؛
بنایا جسنے شیوہ ہے دعا صبح و مسا کرنا

نظم چودھری علی محمدؐ صاحب

(منورؔ)

بڑا آج فضلِ خدا ہو رہا ہے۔
کہ یورپ تغیر نما ہو رہا ہے
سنو مجھ سے تم اے فدایانِ یورپ
کہ احمدؐ پہ یورپ فدا ہو رہا ہے
سنا ہے کہ لندن سے آئی خبر ہے
کہ خانہ خدا کا بنا ہو رہا ہے
جمع اس میں ہوتے ہیں احمدؐ کے پیارے
وہاں پنجگانہ ادا ہو رہا ہے
چھپاتے تھے تم نام یورپ میں جسکا
وہاں اس پہ صلِ علیٰ ہو رہا ہے
جسے کل کا بچہ سمجھتا تھا ظالم
وہی آج قبلہ نما ہو رہا ہے
اِسی غم نے خواجہ کو ہی مار ڈالا
کہ کہتا میں کیا تھا یہ کیا ہو رہا ہے
سنا دیں یہ سردار تجھ اپنی باغی؛
کہ منصوبہ تیرا فنا ہو رہا ہے
مبارک تجھے میرے فخر رسل ہو
کہ حاصل ترا مدعا ہو رہا ہے
مسیحا جو پہلے سے فرما گئے تھے
وہ پورا سبھی بے خطا ہو رہا ہے
دعا ہے منورؔ کی تجھ سے۔ دکھا دے
کہ احمدؐ کا گلشن ہرا ہو رہا ہے

از مولانا مولوی رحیم بخش صاحب

(دردؔ)

مٹا دینگے دنیا سے شر دیکھ لینا
ہماری دعا کا اثر دیکھ لینا
مقابل پہ آئیگا جو بھی ہمارے
اڑا دینگے ہم اسکا سر دیکھ لینا
قیامت تلک پھر نہ وہ اٹھ سکیگا
وہ لینگے ہم اس کی خبر دیکھ لینا
رہا دین حق زیر ہے مدتوں تک
کرینگے اُسے ہم زبر دیکھ لینا
زمین ہمنے لی لی ہے لندن میں۔ اب واں۔
بنائینگے اللہ کا گھر دیکھ لینا
سنیگا خبر حاسد بد گہر جب
پھریگا وہ تھامے جگر دیکھ لینا
منارے پہ چڑھکر اذاں دینگے جب ہم
جھکا دینگے یورپ کا سر دیکھ لینا
لگائینگے بستاں مسیحا کا اس جا
کھلائینگے ان کو ثمر دیکھ لینا
طیور اسمیں لاکھوں کرینگے بسیرا
بڑھیگا یہ ایسا شجر دیکھ لینا
چڑھائینگے سورج کو مغرب میں جاکر
ولایت میں ہوگی سحر دیکھ لینا
جو دیکھینگے لندن میں مسجد ہماری
رقیبوں کا چھلنی جگر دیکھ لینا
مبارک ہو محمود تجھ کو یہ مسجد؛
کریگا تو عالم کو سر دیکھ لینا
ترے در پہ آئے ہیں امید لیکر
غریبوں کو بھی اِک نظر دیکھ لینا
کبھی کر کے ہمت جو ہم درد اٹھے
تو دشمن کو باچشم تر دیکھ لینا

از ڈاکٹر حشمت اللہ خانصاحب

سُنی ہے میں نے خبر یہ جب سے بنیگی لندن میں جلد مسجد
یہہ بات دل میں سما رہی ہے کہ قوم تثلیث خوار ہو گی
چلائیں گے تیر دشمنوں پر کرینگے سینوں کو ان کے چھلنی
جو قوم احمدؑ کا وار ہو گا تو قوم اعداء خوار ہو گی
عَلَم ہمارا وہاں گڑے گا جہاں ہے اب قبضۂ نصاریٰ
بِناء جو اپنی وہاں پڑے گی تو ٹکڑے اُن کی جدا ہو گی
بلند ہو گی اذاں ہماری مینار مسجد سے جب اے پیارو
تو بن کے اِک دھار دار برچھی دلوں سے اعداء کے پار ہو گی
پڑے گا ماتم عدو کے گھر میں منائینگے ہم جہاں میں خوشیاں
بڑھے گی عزت ہماری ہر جا یہہ نسل دجال خوار ہو گی
دعا ہے احقر کی نزد باری کہ سایہ رکھیو ہمارے سر پر
تری نظر گر رہے گی ہم پر تو ناؤ دریا سے پار ہو گی

سید محمود اللہ شاہ صاحب

رباعی

ہو گئیں آج مرادیں حاصل ۔ دین تثلیث ہوا ہے باطل
شکر للہ مجیب الدعوات ۔ دشمن دین ہوا ہے گھائل

خلیفہ تقی الدین صاحب

شکر للہ ملی خوشخبری
مسجد پاک کی بنیاد پڑی
دلسے ہر دم یہہ نکلتی ہے صدا
اے خدا شان ہو ظاہر تری

رباعی از مرزا گل محمد صاحب

مسجد لندن کی ہیں تیاریاں
چلتی ہیں خواجہ کو دل پر آریاں
بس نہیں چلتا کہ وہ مجبور ہے
بھول بیٹھا ہے وہ سب مکاریاں

رباعی

نمبر (۲)

اے قوم تیرے واسطے فخر کی ہے جا،
تو نے خدا کے گھر کو وہاں جا کیا بناء
پوجا جہاں پہ ہوتی تھی اک مُردہ شخص کی
اسلام کا وہاں پہ ہے پرچم دیا اڑا!

خاکسار
مرزا گل محمد احمدی:۔

چنانچہ ملاحظہ ہو۔ تفسیر قنوی شرح بیضاوی جس میں لکھا ہے۔ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا کفارس والروم والمعنی واورثکم ای سیورثکم جلد ۶ صفحہ ۱۲۹ یعنی اس زمین سے جس پر ابھی تمہارے قدم نہیں پہنچے۔ فارس و روم وغیرہ مراد ہیں۔ اور یہاں اورثکم سیورثکم کے معنے بصیغہ مستقبل دیتا ہے۔ اسکے علاوہ تفسیر روح المعانی میں یہ عبارت لکھی ہے۔ وارضا لم تطئوها قال مقاتل ویزید ابن رومان وابن زید ھی خیبر فتحت بعد بنی قریظہ وقال قتادة کان یتحدث انها مکة وقال الحسن ھی ارض روم و فارس وقیل الیمن وقال عکرمة ھی ما ظھر علیھا المسلمون الی یوم القیامة واختاره فی البحر وقال عروة لا احسبها الا کل ارض فتحها اللہ تعالیٰ علی المسلمین او ھو عز وجل فاتحها الی یوم القیامة جلد ۷ صفحہ ۱۳ مصنفہ ابو الفضل شہاب الدین سید محمود الالوسی البغدادی۔ خلاصہ یہ کہ ارضا لم تطئوها سے مراد وہ تمام ممالک ہیں جن پر مسلمانوں کو تا قیامت قبضہ ہوگا ؛

پس ثابت ہوا کہ آیت پیش کردہ میں جہاں ایک طرف اللہ تعالیٰ نے ان زمینوں کی متعلق جو مسلمانوں کے قبضہ میں آچکی تھیں اورثکم فرمایا ہے۔ وہاں ارضا لم تطئوها میں وہ زمینیں اور ممالک جو ابھی حاصل نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ آئندہ زمانہ میں حاصل ہونے والے تھے۔ انکی نسبت بھی صیغہ ماضی اورثکم ہی فرمایا۔ اور اس سے مراد صیغہ مستقبل کا لیا گویا اورثکم کے لفظ نے اس آیت کے پہلے ٹکڑہ میں تو بنی قریظہ کے اموال و دیار وغیرہ کے لحاظ سے ماضی کے معنے دیئے۔ مگر دوسرے ٹکڑہ میں یعنی ارضا لم تطئوها کے لحاظ سے وہی اورثکم کا لفظ سیورثکم کے معنے بصیغہ مستقبل دیتا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح آیت کریمہ ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم الخ کے پہلے حصہ میں تو لفظ بَعَثَ کے معنے بصیغہ ماضی یہ ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان امی لوگوں میں ان میں سے ایک رسول بھیجا۔ اور دوسرے حصہ میں اسی لفظ بَعَثَ کے معنے بصیغہ مستقبل یہ ہیں کہ آخرین میں بھی جو ابھی اُن سے نہیں ملے۔ ایک رسول بھیجے گا۔ جو ان آخرین میں سے ہوگا۔ وھو المقصود ؛

مولوی صاحب! یہ ثبوت جو میں نے پیش کیا ہے اسقدر فیصلہ کن ہے۔ کہ کسی قلب سلیم کو اس انکار کی گنجائش نہیں۔ اب اسکے بعد آپ کے لئے صرف دو ہی راستے کھلے ہیں۔ یا تو آپ مردانہ وار اپنی غلطی اور جہالت کا اعتراف کرکے ہمارے پیش کردہ معانی کو قبول کرلیں اور مان لیں۔ کہ آیت کریمہ واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم میں اللہ تعالیٰ نے ایک رسول (مسیح موعودؑ) کو آخری زمانہ میں مبعوث کرنیکا وعدہ فرمایا ہوا تھا۔ یا نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کو بھی قواعد علوم عربیہ سے ناواقف اور جاہل قرار دیں کیونکہ اسنے صریحاً ایک لفظ اورثکم کو ایک ہی موقعہ میں ماضی اور مستقبل کے دو متضاد معنوں میں استعمال کرکے (بقول آپکے) اجتماع ضدین کردیا جس سے آپ بھی انکار نہیں کرسکتے بہرحال اب آپکو ان دو موقعوں میں سے ایک کو قبول کئے بغیر چارہ نہیں۔ وما علینا الا البلاغ المبین ؛

فرزند علی عفا اللہ عنہ امیر جماعت احمدیہ ضلع فیروزپور ۹ ستمبر ۱۹۲۰ء

ذیل میں وہ خط جو اول آخر جولائی ۱۹۲۰ء میں مولوی محمد علی لکھوی کے چیلنج کے جواب میں بھیجا گیا تھا اطلاع عام کے لئے شائع کیا جاتا ہے۔

مولوی محمد علی۔ صاحب ساکن موضع لکھوکے ضلع فیروزپور۔ آپکی طرف سے ایک طویل اشتہار ایک جلسہ کے متعلق جو آپ ماہ حال میں موضع لکھوکے میں کرنا چاہتے ہیں۔ میری نظر سے گزرا۔ اسمیں آپ مجھے چیلنج دیتے ہیں۔ کہ آپ کے جلسہ میں آکر صداقت مرزا پر آپ کے ساتھ بحث کروں۔ نہایت افسوس ہے کہ حضرت مسیح موعود کی تکذیب کا جنون آپکے سر پر ایسا ہو رہا ہے۔ کہ آپکو موقع بے موقع کی تمیز نہیں رہتی اور واہی تباہی جو بھی خیال میں آئے اسکو حوالہ قلم کر دیتے ہیں۔ آپکے جلسہ کی غرض تو اشتہار کے ملاحظہ سے یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ جو اخراجات آپکو مدرسہ کے متعلق اٹھانے پڑتے ہیں۔ انکے پورا کرنیکے لئے روپیہ مہیا کریں جسمیں لوگ آپکی امداد کریں۔ اسمیں حضرت مرزا صاحب کی صداقت یا عدم صداقت کا سوال کسطرح پیدا ہوتا ہے۔ اور پھر ایک چھوٹے سے گاؤں میں ایسے مناظرہ کا انعقاد کسطرح مفید ہوسکتا ہے جسمیں زیادہ تر آپکے ایسے ہمنوالوں کی کثرت ہوگی۔ جنکا نقطۂ نظر کنوئیں کی مینڈک کیطرح دائرہ چاہ سے تجاوز نہیں کرسکتا۔ پس اس چیلنج کی اصل غرض صرف یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ یوں تو بالکل بے رونقی رہیگی۔ اگر احمدیوں کو ساتھ چھیڑ چھاڑ کی جاوے تو شاید اسی وجہ سے لوگ آپکے جلسہ میں شامل ہوں۔ اور جلسہ کی رونق بڑھے۔ اور لوگوں کو آپکے اور آپکے مدرسہ کے ساتھ ہمدردی پیدا ہو۔ اگر یہ درست ہے۔ اور یقیناً درست ہے۔ تو گویا آپ دینی مناظرات کو کھیل تماشا بنانا چاہتے ہیں اور ایسی دھوکہ دہی کی باتیں ہم دانستہ آپکی اعانت کرنیکو روا دار نہیں۔ اسموقعہ پر تو ان لوگوں کا آپکے اوپر جرح کرنیکا حق ہے۔ جو ایک طرف آپکے مذہبی عقائد کو غلط سمجھتے ہیں۔ اور دوسری طرف آپکے اخلاق اور نیت پر حملہ کرتے ہیں۔ اور آپکے مدرسہ کو مدرسہ ضراریہ قرار دیتے ہیں۔ آپ پہلے ان سے نپٹ لیں اور اسکے بعد پھر اگر ہمارے ساتھ مناظرہ کرنا ہی ہو تو اس مناظرہ کا بعد تصفیہ شرائط شہر فیروزپور میں منعقد ہونا فائدہ مند ہوسکتا ہے۔ کیونکہ بڑے شہروں میں ہر ایک قسم کی استعدادوں کے لوگ ہوتے ہیں انہیں سے بعض ایسے بھی نکل آتے ہیں جو نفسانی جوش سے الگ ہوکر اصل مضمون زیر بحث پر غور کرکے کسی نہ کسی حد تک صداقت کو پالیتے ہیں ؛

فرزند علی۔ فیروزپور۔ ۲۲ جولائی ۱۹۲۰ء

نظم از حضرت میرزا شریف احمد صاحب (اصغر)!

(از کوہ ڈلہوزی)

اے قومِ احمدی تو ذرا غور سے تو دیکھ
دینِ خدا کے واسطے تو نے ہے کیا کیا
ہے دعویٰ وراثتِ اصحابِ مصطفےٰ
ان کی طرح بتا تو سہی تو نے کیا کیا!
کن کن مصیبتوں میں وہ ثابت قدم رہے
کچھ یاد ہے تمہیں جو صحابہ نے سہا کیا
چھوٹا وطن عزیز چھٹے ہمنشیں چھٹے!
کفار نے ہر عیش کو ان کے فنا کیا
لوٹے گئے شہید ہوئے راہِ دیں میں
سب جان و مال اپنا خدا پر فدا کیا
پرکھا انہیں خدا نے ہزاروں طریق سے
لیکن انہوں نے حقِ محبت ادا کیا
پروانہ تھے وہ شمعِ صداقت کیواسطے
فرحاں تھی روح گو تنِ خاکی جلا کیا
ہر امتحان کیوقت وہ ثابت قدم رہے
بڑھ بڑھ کے اپنی جاں کو قرباں سدا کیا
راضی خدا تھا انسے وہ اسکی رضا پہ خوش
ان عاشقوں نے نفس کو ایسا فنا کیا
دیکھ اپنا اور انکا تقابل ذرا کرو!
کیا کیا وہ کر گئے ہیں۔ مگر تم نے کیا کیا
وہ کتنے ملک ہیں جنہیں تبلیغ تم نے کی
کتنے دلوں کو شرک سے تم نے رہا کیا
اسلام کی اشاعتِ کامل کے فرض کو
تم ہی کہو کہ تم نے کہاں تک ادا کیا
کتنوں نے دیں کیلئے دنیا نثار کی
کتنوں نے جان و مال کو وقفِ خدا کیا
جو مال دے گئے تمہیں مسیحِ محمدی
کس کس کو تم نے وہ زرِ خالص عطا کیا
حصہ لیا ہے تم نے جو تبلیغ دین میں!
اعلانِ حق جو تم نے ببانگِ درا کیا
مردوں میں تم نے پھونکی جو روحِ محمدی
یہ کام بھی بہت ہے مگر پھر بھی کیا کیا
جو سربکف ہیں تم میں وہ ہیں چند ہی نفوس
بیشک انہوں نے عہد کو اپنے وفا کیا
لیکن ہنوز ایسے بہت ہیں جو سست ہیں
افسوس ان پہ ہے۔ کہ بہت ہی برا کیا
ایسا نہ ہو کہ بابِ عمل بند ہو تو پھر
رہ جاؤ تم یہ کہتے ہوئے ہائے کیا کیا
شکوہ کسی سے ہے ہی نہیں اصغر ہمیں تو کچھ
جو کچھ گلہ کیا ہے۔ وہ اپنا گلہ کیا!!

ڈائری حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ سیدنا امیر المؤمنین فضلِ عمر فخرِ رسل حضرت خلیفۃ المسیح اللہ تعالیٰ کے فضل سے بخیریت ہیں۔ خدام ہمرکاب بھی بخیریت ہیں۔ کل اسجگہ بہت اچھی بارش ہوئی جسکی وجہ سے سردی میں شدت پیدا ہوگئی ہے کل شام تو ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ شاید قریب ہی کہیں برف باری ہو رہی ہے۔ آج بھی ابر محیط ہے۔

حضرت کی روانگی کی تاریخ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی صرف اتنی تبدیلی ہوئی ہے۔ کہ پہلی حضور کا ارادہ تہا کہ دونیرہ سے پیدل سیدھے راستہ نور پور تشریف لیجائیں۔ راستہ میں چکی نالہ پڑتا ہے۔ اب اس خیال سے کہ بارش کی وجہ سے چکی میں پانی زیادہ ہوگیا ہوگا۔ اور راستہ ناقابلِ عبور ہوگا۔ اور یوں بھی وہ نالہ خطرہ سے خالی نہیں۔ ان خیالات سے اب ارادہ ہوا ہے کہ حضور بھی براستہ سڑک اور سواری ٹمٹم ہی نور پور تشریف لیجائیں گے۔ نور پور میں قیام کے ایام کا کچھ پتہ نہیں۔ لہٰذا تاریخ ورود قادیان ٹھیک طور پر عرض نہیں کرسکتا۔

کل بعد شام و بعد طعام حضرت نے اپنی ایک تازہ نظم سنوائی جسکے ۲۶ شعر رات پڑھے گئے تھے۔ اور ابھی نا تمام ہے۔ سردست دو شعر عرض کرتا ہوں لکھے تو میں نے ۲۶ ہی ہیں۔ مگر حضور نے حکم دیا ہے کہ ابھی بھیجنا نہیں کیونکہ نا تمام ہے۔ لہٰذا آپ ان کو شایع نہ کریں۔

کون ہے حسنِ دل آرا پہ جو حیران نہ ہو
سامنے جاکے بھی پھر سر بگریباں نہ ہو
حیف اس سر پہ کہ جو تابعِ فرماں نہ ہو
تف ہے اس دل پہ کہ جو بندۂ احساں نہ ہو

نظم کیا ہے موتی پرو دیے ہیں۔
اسکے بعد حضور نے حقانی صاحب کی نظمیں سنیں اور انکے اخلاص اور وفور محبت کا تذکرہ فرماتے رہے۔ اسکے بعد مثنوی مولانا روم کے کلام کی خوبی کا تذکرہ ہوتا رہا۔ اور حضور بار بار اسکی تعریف کرتے رہے۔ فرمایا کہ نہایت ہی لطیف پُر مغز پُر معانی اور معرفت سے پُر کلام ہے۔ عوام نے اس کلام کے سمجھنے میں غلطی کھائی ہے اور اس سے وحدت وجود کے خیالات اخذ کرتے ہیں مگر اصلیت یہ نہیں۔ انہوں نے نہایت ہی لطیف پیرایہ میں مجددیت کا دعویٰ کیا۔ اور اصلاح خلق کی انکی خدمات کا تذکرہ کیا ہے۔ غرضیکہ دیر تک اس کا تذکرہ رہا۔ بعد میں حضرت مسیح موعودؑ کے کلام کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا کہ لوگ اپنے اپنے مذاق کی نظمیں چن لیتے ہیں۔ اور اکثر انکو پڑھتے رہتے ہیں۔ مگر مجھے حضرت کی وہ مثنوی بہت ہی پسند ہے۔ جو حضور نے براہین احمدیہ حصہ پنجم میں لکھی ہے۔ اور جو یوں شروع ہوتی ہے۔ ہے شکرِ ربِ عزوجل خارج از بیاں۔ اس مثنوی کے ۴۳۲ شعر ہیں۔ اور پھر حضرت نے مولوی رحیم بخش صاحب کو اسکے پڑھنے کا حکم دیا۔ وہ پڑھتے تھے۔ حضور مسرور اور مسرور تھے۔ پڑھتے پڑھتے دیر ہوگئی۔ ½۱۰ بج گئے۔ لوگ سونے لگ گئے۔ تو حضور نے فرمایا اچھا اب بس کریں آذان کا حکم دیا اور مجلس برخاست ہوئی۔
آج حضور ڈائن کنڈ جانیکا ارادہ رکھتے ہیں روانگی انشاء اللہ ۲۰ کو ہوگی، میر محمد اسمٰعیل صاحب نے بھی ایک لطیف نظم اور کہی ہے۔ اور حضرت میاں بشیر احمد صاحب نے بھی ایک اور نظم لکھی ہے۔ (عبدالرحمٰن قادیانی) ۱۸ ستمبر ۱۹۲۰ء

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی حرم محترم کو ایک چٹھی مشتمل برحالات حضرت صاحب

(گذشتہ سے پیوستہ)

اس پہاڑ پر پانی کے چشمے اسقدر ہیں۔ کہ کوئی حد حساب ہی نہیں۔ پانی سے سارا پہاڑ نمدار اور گیلا رہتا ہے اور یہی وجہ ہے۔ کہ یہاں جونک بینڈک وغیرہ جانور کثرت سے پائے جاتے ہیں :

منگل کے دن ہم نتھے کے قریب مکان پر پہنچے منگل بدھ۔ جمعرات اور جمعہ کو نماز جمعہ سے پہلے تک۔ حضرت کی طبیعت نہایت خوش اور بشاش تھی۔ اور یہ پہاڑ حضور کو بہت پسند تھا۔ جمعہ کی نماز کے بعد حضور سیر کیواسطے تشریف لیگئے۔ اور ایک چشمہ جسکا نام بھاگسو ناتھ ہے۔ جہاں ہندوؤں کا مندر ہے ملاحظہ فرمایا :

وہاں ایک جونک نے مجھے کاٹا۔ معمولی بات سمجھکر کوئی ایسا خیال نہ کیا گیا۔ پانی چونکہ نہایت ہی صاف شفاف اور کثرت سے بہتا تھا۔ تھوڑی دیر تک اسکا نظارہ فرماتے رہے۔ دوست آپس میں ہنستے کھیلتے رہے۔ اور حضور دیکھکر خوش ہوتے رہے :

اس نظارہ کے ملاحظہ کے بعد نیچے کھڈ کیطرف حضور لیجایا گیا۔ جسطرح کی کھڈ میں شملہ کے سفر میں ایک دن نیچے گئے تھے۔ اور وہاں سے حضرت کی طبیعت خراب ہوئی تھی۔ جہاں اونچی جگہ سے نیچے کو پانی کی دھار گرتی تھی۔ بس بعینہ اسی طرح کی جگہ میں لیجایا گیا۔ وہاں کچھ تو جونکیں تھیں۔ جو حضور بعض ساتھیوں کو چمٹ گئیں۔ اور کچھ ہوا اندا اور تنگ تھی۔ حضور کی طبیعت پر اچھا اثر نہ ہوا۔ پہاڑ پر آنیکے تین فائدے عام طور پر مدنظر رکھے جاتے ہیں۔ (۱) کھلی اور تازہ ہوا (۲) اچھی عمدہ خوش کن سیر گاہ (۳) اور میوہ جات۔ مگر ان تینوں میں سے یہاں کوئی بھی موجود نظر نہ آئی۔ کثرت بارش اور پانی کیوجہ سے پہاڑ دلدل بن رہا تھا جسکی وجہ سے نہ ہوا میں صفائی اور نہ سیر کے واسطے جگہ۔ صفائی کا اس پہاڑ پر نام تک نہیں سڑکیں تک بھی گندی ہیں۔ گھاس پھوس اور پتے درختوں کے بارش سے گل سڑ کر بدبو پیدا ہو رہی تھی۔ سڑکوں پر کیچڑ تھا۔ کہ چلنے کو راہ تک نہ ملتی تھی۔ باقی رہے میوہ جات سو ان کا اس پہاڑ پر نام ہی نہیں :

یہ وجوہات اور ان کے ساتھ مگر ایک اور بڑی وجہ یہ ہوئی کہ یہ پہاڑ اپنے اندر آتش فشانی مواد رکھتا ہے۔ گذشتہ ہولناک زلزلہ ۱۹۰۵ء میں خطرناک تباہی ہو چکی ہے۔ اور گو زلزلہ کانگڑے کے نام سے مشہور ہے۔ مگر دہرم سال میں بھی کچھ کم تباہی نہیں ہوئی :

دیکھنے والے کہتے ہیں کہ کوئی ایک بھی آباد مکان زلزلہ کی تباہی سے سلامت نہ بچا تھا۔ ہزاروں مکانات۔ سینکڑوں مضبوط اور شاندار کوٹھیاں۔ بنگلے اور سرکاری عمارات ایک آن میں زیر زمین ہو گئے۔ جن کے آثار اب تک موجود ہیں۔ اور ان کو دوبارہ اب تک بھی کوئی بنا نہیں سکا۔ بعض مقامات تو پورے کے پورے غرق ہو گئے۔ اور اب ان کی جگہ جنگل ہے۔ اور جنگل بھی ایسا کہ وہاں جاتے ہوئے خوف لگتا ہے۔ زمین اب تک ہلتی ہے۔ گویا پانی پر کھڑی ہے۔ سرائے شفاخانے آپ جانتے ہیں۔ کہ ساری مقامات میں بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک بھی آدمی نہ بچا تھا۔ بازار کی یہ حالت بیان کی جاتی ہے۔ کہ پانسو آدمی نے پندرہ دن کی محنت شاقہ کے بعد بمشکل صاف کیا تھا۔ جنمیں مردے اور لاشیں سڑ گئی تھیں :

اور بعض مکانات اور کوٹھیوں میں ان کے گرنے کی وجہ سے اندر کے آدمی اندر زندہ موجود تھے۔ اور ان کو کسی آڑ کی وجہ سے چوٹ تک بھی نہ آئی تھی۔ مگر اندر سے نکل بھی نہ سکتے تھے۔ اور بیرونی امداد ان کو وقت پر نہ پہنچ سکی۔ اور وہ بھوک و پیاس کے مارے یا خوف کی وجہ سے ہی مر گئے بتاتے ہیں کہ کل آبادی میں سے کانگڑہ میں ۵ فی صدی اور دہرم سال میں ۱۰ فیصدی آدمی بچ رہے تھے یعنی کانگڑہ کے کل آدمیوں میں سے ہر سو میں سے ۹۵ مر گئے۔ اور صرف ۵ بچے اور دہرم سال میں سو میں سے ۹۰ مرے اور ۱۰ بچے۔ الامان الحفیظ

ایک اور عجیب بات لوگ بیان کرتے ہیں۔ کہ خالی مکانات جو چند موجود تھے۔ مثلاً چیک گھر ذبح خانہ ٹٹی۔ اور ایک چھاؤنی کی بارک۔ ان مکانات کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ اور حتیٰ کہ ان کا ایک پتھر تک بھی نہیں گرا۔ سبحان اللہ احمدیوں کا ایک گھر تھا۔ اللہ تعالےٰ نے انکو اپنے فضل سے بچا لیا۔ اور گو مکان گر گئے مگر ان میں سے کسی کو چوٹ نہ آئی۔ حتےٰ کہ ان کا ایک بال بھی ٹیڑھا نہیں ہوا (سبحان اللہ کیسا فضل ہوا)

غرض اس تباہی سے گویا ہر جگہ مقابر بنی ہوئی ہیں۔ اور کوئی جگہ نہیں کہ جہاں کوئی نہ کوئی جان ضایع نہ ہوئی ہو۔ ہزاروں انسان اور ہزاروں بلکہ لاکھوں حیوان تباہ ہوئے :

اس ہولناک عذاب کا خیال ایسا خیال ہے۔ کہ حضور کے دل پر اس کا خاص اثر ہے۔ اور حضور پسند نہیں کرتے کہ قبروں پر بیٹھکر کھایا پیا جاوے۔ کیونکہ جہاں بھی جائینگے۔ وہیں آبادی تھی اور تباہی میں موتا موتی تھی۔ اور عذاب الہی سے لوگ ہلاک ہوئے۔ پس یہ باتیں ہیں جسکی وجہ سے حضور نے کسی دوسرے پہاڑ پر جانیکا ارادہ فرمالیا ہے :

ڈلہوزی میں کوئی مکان خالی نہیں ہے۔ کوہ مری جو کشمیر کے راہ میں ہے۔ وہاں تار دئے ہیں منصوری بھی تار دئے ہیں۔ مگر جواب کی انتظار ہے :

کل بارہ بجے سے سخت بارش ہو رہی ہے۔ خدا رحم کرے ۱۲ میل برف والا پہاڑ ہے۔ نیک محمد دیکھکر آگئے ہیں

[illegible]

خطبۂ عید قربان

فرمودہ سیدنا امیر المومنین فضل عمرؓ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایداللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بمقام کوہ ڈلہوزی کوٹھی راج محل مورخہ ۲۶ اگست ۱۹۲ء نوشتہ (رہتہ) عبدالرحمٰن قادیانی

کلمہ شہادت - تعوذ اور تلاوت سورۂ فاتحہ کے بعد فرمایا - یہ عید قربانی کی عید کہلاتی ہے - کیونکہ ایک عظیم الشان قربانی کی یاد میں قایم کیگئی ہے - لوگ بحث کرتے ہیں - کہ یہ قربانی حضرت اسحاقؑ کی تھی - یا حضرت اسمٰعیلؑ کی - لیکن اصل بات یہی ہے - کہ حضرت اسمٰعیلؑ ہی اس قربانی میں پیش کئے گئے تھے ؛

تورات کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے - کہ حضرت ابراہیمؑ کو حکم ہوا تھا - کہ اپنا اکلوتا بیٹا قربانی میں پیش کریں - اُس نے کہا (خدا تعالیٰ نے) تو اپنے بیٹے ہاں اپنے اکلوتے بیٹے کو جیسے تو پیار کرتا ہے - اسحاق کو لے اور زمین موریا میں جا - اور اسے وہاں پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتاؤں گا - سوختنی قربانی کے لئے چڑھا" (پیدائش باب ۲۲ آیت ۲) مگر چونکہ حضرت اسحٰقؑ حضرت اسمٰعیلؑ سے چھوٹے تھے - اسوجہ سے اکلوتے بیٹے کے لفظ کا اطلاق ان پر نہیں ہو سکتا تھا - لیکن بڑے بیٹے پر اکلوتے کا لفظ عائد ہو سکتا ہے - کیونکہ جب تک حضرت اسحٰق پیدا نہیں ہوئے حضرت اسمٰعیلؑ ہی اکلوتے تھے ؛

یہود کو یا تو دھوکا لگا ہے - یا انہوں نے عمداً حق پوشی کرکے لوگوں کو دھوکا دیا ہے - اور اس خواب میں اسحاق کا لفظ بڑھا دیا ہے تاکہ قربانی کے فوائد اور وعدوں کا وارث اپنی قوم کو ثابت کرکے حق اپنی طرف منسوب کریں ۔

حضرت ابراہیمؑ کو رویا میں دکھایا گیا - کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کرتے ہیں - یہ ایک خواب تھی - جس کی تعبیر تھی - یہ ظاہراً اپنے اندر ایک حقیقت رکھتا تھا - اور یہ رویا کچھ معنے رکھتی تھی - مگر چونکہ اسوقت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی قانون نازل نہ ہوا تھا - کہ رویا پر کیونکر عمل کیا جائے - اور خواب کی حقیقت اور معانی سمجھکر کیونکر اسے عملی جامہ پہنایا جائے - حضرت ابراہیمؑ نے رویا کو اپنے ظاہر پر محمول کیا - اور واقعہ میں اپنے جگر گوشہ کو خدا کے حکم کے ماتحت اور اس کی رضا کے حصول کیلئے قربان کرنیکو تیار ہو گئے - اور اسمٰعیلؑ کو جنکی رضا بھی اس میں شامل تھی - زمین پر لٹا دیا - مگر اللہ تعالےٰ نے عین اسوقت کہ جب حضرت ابراہیمؑ گویا اپنی طرف سے حضرت اسمٰعیلؑ کو قربان ہی کر چکے تھے - اس رویا کی حقیقت بتائی - اور اس خواب کو ظاہری طور پر پورا کرنیکے لئے حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک بکرا قربان کیا جائے ؛

فرمایا دراصل یہ رویا ایک بنیاد تھی - جس کا دامن قیامت تک کے لئے وسیع تھا - اور اس رویا کے دونو پہلو تھے - منذر بھی اور مبشر بھی - اللہ تعالیٰ نے بتایا - کہ رویا کے منذر حصہ کے تکالیف اور دکھ سے بچنے کیلئے بکرے کی قربانی ادا کردو ؛

چنانچہ اسی ابراہیمی سنت کے ماتحت مسلمانوں کو بھی قربانی کا حکم ہے - اور اس پر مسلمان ہمیشہ سے عمل کرتے چلے آئے ہیں - مگر چونکہ اس رویا کے دونو پہلو ہیں - منذر بھی اور مبشر بھی - اسی وجہ سے اس قربانی اور صدقہ میں فرق ہے - صدقہ کی قربانی کا گوشت انسان کو خود کھانا جائز نہیں - مگر اس قربانی کا گوشت انسان خود بھی استعمال کر سکتا ہے - اور اپنے دوستوں اور غربا و مساکین میں بھی تقسیم کیا جاتا ہے -

فرمایا دراصل یہ رویا حضرت اسمٰعیلؑ کی ہجرت کی پیشگوئی تھی - جو حضرت ابراہیمؑ کو قبل از وقت اشارۃً بتائی گئی کہ اپنے ننھے بچے کو ایک ایسے بے آب و دانہ جنگل میں جہاں سینکڑوں میل تک نہ پانی نہ کھانیکا سامان کچھ میسر نہیں ہوگا وہاں چھوڑنا پڑے گا - جو دراصل ان حالات کے ماتحت ذبح کرنے سے بھی زیادہ سخت ہوگا - اور یہی وہ قربانی تھی - جس کی طرف رویا میں اشارہ تھا - ورنہ یہ خیال کہ بچے کو ذبح کردو اور پھر بس اسکے بعد اسکا کوئی نتیجہ نہیں - یہ تو ایک تمسخر بن جاتا ہے - جو اللہ تعالیٰ اور انبیاء کی شان سے بعید ہے ؛

گو حضرت ابراہیمؑ نے وہی سمجھا - جس کے مطابق اپنے اخلاص اور علم کی بنا پر عمل درآمد کیا مگر دراصل منشاء الٰہی وہی تھا - جو واقعات سے ثابت ہوا ؛

غور کا مقام ہے - کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی عمر اُسوقت گیارہ یا بارہ برس کی تھی - حکم ہوتا ہے - کہ اسکو اس لق و دق جنگل میں چھوڑ آؤ - جہاں سینکڑوں میل تک پانی ہے نہ دانہ - حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ کا یوں بیان فرماتے ہیں ؛

حضرت ابراہیمؑ نے ایک تھیلے میں تھوڑی سی کھجوریں اور ایک مشکیزہ میں کچھ پانی لیا - اور حضرت ہاجرہؓ اور اسمٰعیلؑ کو لیکر ایک جنگل کی طرف روانہ ہوئے - حضرت ہاجرہؓ پوچھتی ہیں - کہ آپ کہاں جاتے ہیں - اور ہمیں کدھر لے جاتے ہیں - مگر حضرت ابراہیمؑ نے کوئی جواب نہ دیا - اور جنگل کیطرف چلتے چلے گئے - حضرت ہاجرہؓ بار بار پوچھتی تھیں - مگر کوئی جواب نہ ملتا تھا - حتیٰ کہ اس خاص مقام پر پہنچے - جہاں مکہ مکرمہ تھا - اور

جس جگہ ان کو پہنچانے کا حضرت ابراہیمؑ کو حکم ہُوا تھا۔ وہاں پہنچکر کھجور کا تھیلہ اور پانی کا مشکیزہ ماں بچے کے پاس رکھکر آپ واپس روانہ ہوئے۔ ہاجرہؓ نے جب دیکھا کہ حضرت ابراہیمؑ اُن کو اس جنگل میں یکہ و تنہا چھوڑ کر خود واپس جا رہے ہیں۔ تو وہ انکے پیچھے ہولیں اور عرض کیا۔ کہ ہمیں اس جنگل میں چھوڑ کر آپ کہاں تشریف لے جاتے ہیں۔ مگر کوئی جواب حضرت ابراہیمؑ نے ان کو نہ دیا۔ اور چپکے چلتے چلے گئے۔ حضرت ہاجرہؓ نے پھر عرض کیا۔ دوبارہ سہ بارہ پوچھا کہ حضور آپ ہمیں اس بے گیاہ بے آب و دانہ خوفناک اور بھیانک جنگل میں جہاں نہ انسان ہے۔ اور نہ کوئی مونس و غمگسار تنہائی اور جدائی ڈراتی ہیں۔ ایسے لق و دق سنسان بیابان میں بے سروسامان چھوڑ کر کہاں تشریف لے جاتے ہیں۔ مگر حضرت ابراہیمؑ کی طرف سے پھر بھی کوئی جواب نہ ملا۔ تو حضرت ہاجرہؓ عرض کرتی ہیں۔ کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا کرنیکا کوئی حکم دیا ہے۔ اور کیا آپ اللہ کے حکم سے ہمیں یہاں چھوڑتے ہیں۔ اسپر حضرت ابراہیمؑ نے صرف اتنا جواب دیا۔ نعم (ہاں) حضرت ہاجرہؓ کا ایمان بھی کیسا کامل ایمان ہے۔ اور کس پایہ کی مطیع و متوکلہ عورت ہیں۔ کہ جب اللہ کا نام آیا۔ دل قوی ہوگیا۔ تمام خطرے جاتے رہے۔ ساری تنہائی اور بے سروسامانی بھول گئی۔ اور نہایت انشراح صدر اور کمال اطمینان سے کہتی ہیں۔ اذاً لا یضیعنا یہ کہکر حضرت ابراہیمؑ کی طرف سے اپنے لخت جگر نور بصر کی طرف لوٹ آتی ہیں۔ اور رضاء الٰہی پر شاکر اور اوس کے حکم کی بجا آوری کے لئے صابر ہیں ؎

ادھر حضرت ابراہیمؑ جب راستہ کے موڑ پر پہنچے۔ اور دیکھا کہ آپ اب ان کی نظروں سے اوجھل ہیں۔ منہ قبلہ کیطرف پھیر لیا۔ اور کھڑے ہو کر اپنی پیاری بیوی اور عزیز بچے کو اللہ کے سپرد کرتے اور دعا کرتے ہیں۔ ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم ربنا لیقیموا الصلوٰۃ فاجعل افئدۃ من الناس تھوی الیھم وارزقھم من الثمرات لعلھم یشکرون ط اس دعا کے بعد گویا حضرت ابراہیمؑ مطمئن ہو گئے اور ان کو اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر کامل یقین اور پورا بھروسہ تھا۔ کہ وہ ان کو ضائع نہ ہونے دے گا۔ اور ایسا بڑھائیگا۔ کہ دنیا کی ریت کے ذرات کا گنا جانا ممکن مگر یہ نہ گنے جائینگے دعا بھی کیسی کامل دعا کی ہے۔ کہ ان کی روحانی و جسمانی ضروریات کو مدنظر رکھکر جامع دعا کی ہے ؎

حضرت ہاجرہؓ اور ان کے بچے کے پاس تھوڑی سی کھجور اور تھوڑا سا پانی تھا۔ جلد ختم ہوگیا۔ بچے بھوک پیاس کی زیادہ برداشت نہیں کر سکتے۔ پیاس سے تنگ آکر حضرت اسماعیلؑ رونا اور چلانا شروع کیا۔ ماں کی مامتا مشہور ہے۔ ان کے بیتاب اور لوٹ پوٹ ہونے کو دیکھکر نہ رہ سکیں اور ادھر ادھر پانی کی تلاش میں دوڑنے لگیں۔ ایک طرف صفا کی پہاڑی اور دوسری طرف مروہ کی بلندیاں تھیں۔ ادہر سے ادھر اور ادھر سے ادھر سات مرتبہ دوڑی تھیں۔ کہ کہیں کوئی نشان پانی کا مل جاوے گھبراہٹ میں تھیں۔ بچہ جان بلب تھا۔ اس درد کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ آخر ایک آواز کان میں آئی۔ جو مخفی آواز تھی۔ سننے کے لئے کان لگائے۔ پھر آواز آئی اس کو امداد کے لئے پکارا۔ مگر وہ فرشتہ تھا۔ جس نے اپنے پاؤں کی ایڑی یا اپنے پَر سے ایک پتھر کو ٹھوکر لگائی اور وہاں سے چشمہ صافی روان ہوگیا۔ جس سے اس نے اپنے بچے کو پلایا۔ اور خود پیا۔ وہی چشمہ اب دنیا میں آب زمزم کے نام سے موسوم ہے ؎

صفا و مروہ کی سعی ایام حج میں اسی عظیم الشان قربانی کی یاد میں قائم ہوئی ہے۔ یہ قربانی کیا پھل لائی۔ اور کیسی بارور ہوئی۔ دنیا جانتی ہے ؎

یہ قربانی تھی جسکی طرف اشارہ تھا۔ اور یہی وہ قربانی ہے۔ جو حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد کو بھی کرنا تھی۔ پہلی کتابوں میں یونہی لکھا تھا کہ حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی اولاد کے خلاف تمام دنیا کا ہاتھ اٹھے گا۔ اور حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی اولاد کا ہاتھ تمام دنیا کے خلاف ہو گا۔ "اُسکا ہاتھ سب کے اور سب کے ہاتھ اس کے برخلاف ہونگے۔ اور وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بود و باش کرے گا۔"

(پیدائش باب ۱۶)

اور جس کا یہ حال ہو کہ تمام دنیا اس کے خلاف جمع ہو جائے۔ اسے قربانی بھی بہت بڑی کرنی پڑتی ہے۔

حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے آپ کے حقیقی وارث حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سب سے بڑی قربانی کرنی پڑی چنانچہ اسی مقام پر جہاں حضرت اسمٰعیلؑ کو ہجرت کرنی پڑی تھی۔ اسی مقام پر آپکا دانہ اور پانی روک دیا گیا۔ حضرت اسمٰعیلؑ تو ایسے وقت میں وہاں پہنچائے گئے تھے کہ وہاں دانہ پانی تھا نہیں۔ مگر یہاں تو یہ حالت ہے۔ کہ دانہ پانی تو موجود ہے۔ مگر پہرہ مقرر کر دیا جاتا ہے۔ کہ ان کو نہ دانہ پہنچے اور نہ پانی۔ اور متواتر چھ سال تک یہی حالت رہی ہے۔ حتیٰ کہ فاقوں کی وجہ سے لوگوں کے چہرہ پہچاننے مشکل ہو گئے۔ اور پھر یہ وہی قربانی کے ایام ہیں۔ کہ جن میں آپ کی نہایت پیاری بیوی حضرت خدیجہؓ انہی مشکلات تکالیف اور مشقتوں میں فوت ہوئیں ؎

حضرت اسمٰعیلؑ کے واسطے تو وہ مشکل چند روز کی تھی۔ مگر یہاں متواتر چھ سال کا عرصہ انہی مشکلات میں بسر کرنا پڑتا ہے۔ یہہ بڑی قربانی آپ کو اسلئے کرنی پڑی۔ کہ آپ ہی وہ نبی تھے۔ کہ جن کا ہاتھ تمام دنیا کے خلاف اور جن کے خلاف سارا جہان کھڑا ہونے والا تھا ٭

عیسائی کہتے ہیں۔ کہ ان الفاظ تورات سے مراد ڈاکو ہیں۔ مگر یہ ٹھیک نہیں۔ ڈاکو بھی بھلا کوئی حیثیت رکھتے ہیں۔ جنکے خلاف تمام دنیا اور سارے جہان کے جمع ہونیکی ضرورت پیش آوے۔ بڑے بڑے ڈاکو دنیا میں پیدا ہوئے اور پھر دنیا نے دیکھہ لیا۔ کہ آخر ان کا کیا انجام ہوا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں باندھکر ان کو سزائیں مل گئیں۔ مگر اسمٰعیلؑ اور اسکی اولاد کی نسبت تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ باوجود سب دنیا کی مخالفت کے وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بود و باش کریگا۔ یعنی ان کی مخالفت اُن کو نقصان نہ پہنچا سکیگی ٭

دراصل یہہ ایک عظیم الشان انقلاب اور بہت بڑے تغیرات کی طرف اشارہ تھا۔ جو ہمیشہ ہمیش کیلئے حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی اولاد کے خلاف دنیا میں بپا ہونیوالا تھا۔ اور جیسے اب دنیا آئے دن مشاہدہ کر رہی ہے۔ جس دن سے حضرت اسمٰعیلؑ کو مکہ کے پاک اور متبرک مقام پر کھڑا کیا گیا تھا۔ اسی دن سے دنیا میں اس عظیم الشان تغیر کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ آپ کو نہ مٹنے اور نہ بدلنے والے مقام پر کھڑا کیا گیا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ دنیا کو اس کی اور اسکی اولاد کی طرف سے کھا جانے والا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ قاعدہ کی بات ہے کہ بدلتی رہنے والی چیز اور مٹ جانیوالی ہستی کا لوگوں کو زیادہ خوف نہیں ہوتا۔ اصل خوف اور زیادہ ڈر اسی چیز کا ہوتا ہے۔ جس کے متعلق خیال ہو۔ کہ یہہ نہ بدلے گی۔ اور نہ مٹیگی کیونکہ بدلنے اور مٹ جانیوالی چیز کے متعلق وہ دلوں کو تسلی دے لیتے ہیں کہ چند روز کے بعد بدل جائیگی۔ یا مٹ جائیگی ٭

مگر حضرت اسمٰعیلؑ کو جس مقام کھڑا کیا گیا تھا اسکے متعلق وعدہ تھا۔ کہ وہ ہمیشہ ہمیش قایم رہے گا۔ نہ مٹے گا۔ اور نہ بدلیگا۔ اور یہی امر دنیا کی زیادہ مخالفت کا باعث ہوا ٭ غرض یہ رؤیا اس قربانی پر دلالت کرتی تھی۔ کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد کو صداقت اور حق کی تبلیغ و اشاعت کیلئے تمام دنیا کا مقابلہ کرنا پڑیگا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مذہب دیا گیا وہ اس حقیقت کا پورا ثبوت اور بین دلیل ہے ٭

فرمایا اسلام کا اصل الاصول قربانی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اسمٰعیلؑ کو قربان کر کے آئندہ نسلوں کے لئے ترقیات اور وصول الی اللہ کی سنت قایم کر دی۔ اور کمال فرمانبرداری کا نمونہ دکھا کر اپنا مذہب کھولکر بتا دیا ہے۔ جس کی حقیقت یہہ ہے۔ کہ انسان جب تک خدا کیلئے اپنے اوپر ایک موت وارد نہیں کرتا۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لئے ہر قسم کی ذلت اور رسوائی کو اپنے اوپر لینے کے لئے تیار نہیں ہو جاتا اور مشکلات اور مصائب کے خاردار کوہ و دشت میں نہیں پھینکا جاتا۔ اور دنیا سے بالکل منقطع ہو کر کاٹا نہیں جاتا اسوقت تک قبول کبھی نہیں کیا جاتا ٭

ابراہیمی سنت اور اسمٰعیلی ایثار و فرمانبرداری کا رنگ جب تک انسان اپنے اندر پیدا نہیں کرتا۔ جسکا کامل نمونہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی زندگی میں کمال صبر اور کمال استقلال سے دکھا کر حقیقی قربانی کی مثال ہمیشہ ہمیش کے واسطے بطور نمونہ اور اسوۂ حسنہ قایم کر دی۔ اور جو بعد کو مدنی زندگی کے زمانہ میں رنگ لائی بارور ہوئی اور اس قربانی کی قبولیت کا ثبوت اور منظوری کی شہادت اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے دی) اسوقت تک انسان کو خدا تعالیٰ کے حضور نہ قبولیت کا شرف بخشا جاتا ہے۔ اور نہ ہی وہ منظور نظر ہو سکتا ہے ٭

مگر لوگ بالعموم قربانی کی حقیقت کو نہیں سمجھتے ہیں دیکھتا ہوں۔ طبایع میں عام طور پر کامل فرمانبرداری اور اطاعت کا مادہ بہت کم پایا جاتا ہے۔ نفس کا مارنا اور خدا تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں اپنی تمام خواہشات اور امنگوں کو قربان کر کے گردن ڈالدینا اپنا آپ بھلا کر تمامتر خدا کیلئے ہو جانا۔ اور اباء و استکبار کو ترک کر دینا نہایت ہی مشکل اور موت سے بھی سخت تر ہے ٭

بہت ہیں کہ نماز۔ روزہ حج اور زکوٰۃ کے پابند ہونگے۔ مالوں کی قربانی میں دلیری اور حوصلے سے کام لیں گے۔ نفسانی خواہشات کو قربان کر کے ایثار کا ثبوت دیں گے۔ بدنی اور جسمانی خدمات کیلئے کمربستہ ہونگے۔ اپنے اوقات گرامی کو قربانی کے لئے آمادہ نظر آویں گے۔ مگر کامل فرمانبرداری اور ترک اباء و استکبار کے امتحان میں پیچھے رہ جائیںگے کیونکہ یہہ اعمال تو ایسے ہیں۔ کہ کرتے کرتے ان کی عادت پختہ ہو جاتی ہے۔ اور یہ انسان کے ایسے عادت ثانی ہو جاتے ہیں۔ کہ پھر ان کا ترک کرنا انسان کیلئے مشکل ہو جاتا ہے ٭

مگر فرمانبرداری اس بات کا نام ہے کہ انسان کے اندر ایک ایسی روح اور اسکے قلب میں ایک ایسا احساس پیدا ہو جاوے کہ وہ ان تمام احکام کی فرمانبرداری اور تعمیل کے لئے ایسا کمربستہ ہو جائے کہ جب بھی کوئی حکم اللہ تعالیٰ کیطرف سے اُس کے

رسولوں اور انبیاء کی طرف سے یا ان کے نواب اور خلفاء کیطرف سے صادر ہو یہ اسکے ماننے اور فرمانبرداری کیلئے اپنے دلمیں کوئی خلش نہ پائے۔ اور تعمیل کے لئے بالکل تیار ہو۔ اباء استکبار اور نافرمانی کا خیال و وہم تک بھی اس کے قلب میں نہ گزرے۔ پس انسان ہزار نمازیں پڑھے۔ صدقات دے۔ اور ظاہری قربانیاں ادا کرے۔ مگر جب تک وہ قلب سلیم نہیں جسمیں یہ یقینی عزم ہو۔ کہ خدا کا مقابلہ نہیں کرنا۔ اباء استکبار نہیں کرنا۔ اور خدا کیلئے ہر موت اپنے اوپر وارد کرنا منظور ہے۔ تب تک کچھ بھی نہیں؛

ایک شخص تھوڑی نمازیں پڑھنے والا۔ اور کم تسبیح و تحمید کرنیوالا۔ اور ظاہری احکام کی پابندی میں بظاہر دوسروں سے کم ہے۔ مگر اسکے اندر وہ سعید روح موجود ہے۔ اور دلمیں سچا جوش اور تڑپ ہے۔ کہ جب بھی کوئی حکم خدا تعالیٰ کی طرف سے اسے ملتا ہے۔ وہ اسکی تعمیل و فرمانبرداری کے لئے حتی الوسع تیار ہوتا ہے۔ اور اباء و استکبار نہیں کرتا۔ بلکہ خوش ہوتا اور اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہے۔ کہ اسے بھی کسی حکم کی تعمیل کا موقع و توفیق ملی۔ اور شکر کرتا ہے۔ کہ وہ بھی اس قابل ہوا کہ اسے کوئی موقع خدمت کا دیا گیا۔ ہزار درجہ بہتر اور لاکھ درجہ افضل ہے۔ اس انسان سے جو سارا دن نمازوں اور تسبیح اور تحمید میں گزار دیتا ہے۔ اور سارے مال کو اللہ کے لئے تقسیم کر دیتا ہے مگر ابھی اسکے اندر وہ مادہ پیدا نہیں ہوا جسکے ذریعہ سے وہ ہر ایک حکم کے ماننے کے لئے اپنے آپ کو بہ شرح صدر تیار پاتا ہے۔ نفس بعض احکام کو بُرا منا تا اور ان کی اطاعت اپنی حق تلفی سمجھ لیتا ہے۔ درحقیقت وہ مسلم نہیں اسکے نفس نے اسے دھوکا دے رکھا ہے۔ اور اسمیں وہ رگ باقی ہے۔ جس کی وجہ سے ابلیس راندہ درگاہ ہوا؛

قربانی کے معنے ہیں کہ انسان ایک مردے کیطرح ہو جائے۔ جو بدست زندہ ہو۔ وہ اسے جدہر چاہے۔ پھیر دے اور جہاں چاہے۔ رکھدے نہ کوئی اسکی اپنی خواہش ہو۔ اور نہ اسکا اپنا کوئی جذبہ ہو۔ اپنے ارادے اور نیت کو بالکل کھو چکا ہو۔ ایسا مردہ انسان بلکہ بے حس و حرکت پتھر بھی لاکھ درجہ بہتر ہے۔ اس انسان سے جو اپنے ظاہری اعمال سے تو اپنے اسلام و فرمانبرداری کا دعوٰی کرے۔ مگر امتحاں کے وقت جھوٹا ثابت ہو۔ اور اباء و استکبار کرے۔ کہتے ہیں کہ ابلیس بڑا عابد و زاہد تھا۔ یہ مان لیا کوئی بعید از قیاس بات نہیں۔ بلکہ قرین قیاس ہے۔ کیونکہ ہمیشہ انبیاء و صادقین کی آمد سے پہلے بھی ایک ایسا گروہ موجود ہوتا ہے۔ جو مدعی اسلام و فرمانبرداری ہوتا ہے۔

دُور کی بات نہیں۔ ہمارے اس زمانہ میں حضرت مسیح موعودؑ کے سب سے بڑے دشمن مولوی محمد حسین بٹالوی ہی کی نسبت ہم نے تحقیقات کرائی ہے۔ وہ شریعت کے ظاہری احکام کا بڑا پابند تھا۔ اور ظاہری عبادت میں مستقل مزاج تھا نماز روزے کا پورا پابند تھا۔ تہجد گذار تھا اور سوائے خاص مجبوری کے تہجد ترک نہ کرتا تھا۔ انبیاء و راستبازوں کی آمد سے پہلے ایک گروہ ایسا بھی ہوا کرتا ہے۔ اور ایک گروہ ایسا بھی ہوا کرتا ہے جیسے مولوی ثناء اللہ؛ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ بعثت سے پہلے بھی ایک شخص زید نامی مشہور زاہد تھا۔ اور وہ شرک کے خلاف وعظ بھی کیا کرتا تھا۔ اور ایسی غیرت کا اظہار کیا کرتا تھا۔ کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کھانے کیلئے بلوایا۔ تو اسنے جواب دیا کہ میں تمہارا کھانا نہیں کھا سکتا۔ کیونکہ تم لوگ مشرک ہو۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے یقین دلایا۔ کہ ہم لوگ ہرگز مشرک نہیں ہیں آخر ایسا مدعی بھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت نبوت کا اعلان کیا تو شاکی ہوا۔ اور اس نے اپنی حق تلفی سمجھی کہ خدمات تو میں نے کی ہیں۔ اور نبوت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مل گئی۔ اباء کیا اور استکبار دکھایا مردود ہوا اور محروم ہو گیا؛

غرض اباء و استکبار ایک ایسی آگ ہے۔ جو ایک دم میں سالہا سال کی محنت ریاضت زہد و تعبد کو جلا کر راکھ بنا دیتی ہے۔ اور عمر بھر کے اعمال کو حبط کر کے خالی ہاتھ کر دیتی ہے؛

محض گناہ یا محض نافرمانی تو حضرت آدمؑ کی طرف بھی منسوب ہوئی ہے۔ کیونکہ نافرمانی کہتے ہیں حکم کے نہ ماننے کو سو وہ تو حضرت آدم علیہ السلام سے بھی ہوئی ہے۔ اور ابلیس کی طرف بھی نافرمانی منسوب ہوئی۔ مگر فرق کیا ہے۔ جس سے حضرت آدمؑ تو باوجود نافرمانی کے تقرب اور محبوب رہے اور ابلیس ہمیشہ ہمیش کیلئے مردود اور متروک ہو گیا؛

فرق صرف یہی ہے۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام سے نافرمانی سرزد ہوئی۔ مگر نسیان سے۔ عمداً نہیں۔ اباء سے نہیں۔ استکبار سے نہیں۔ اور ابلیس سے نافرمانی ہوئی۔ اباء سے اور استکبار سے؛

ایک مسلمان اگر نماز نہیں پڑھتا مگر اندر ہی اندر نادم ہوتا ہے۔ نماز کا انکار تو نہیں کرتا بلکہ اپنی سستی اور غفلت کا اقبال کرتا ہے اور کسی کے پوچھنے پر شرمندگی سے سر نیچا کر لیتا گردن ڈال دیتا اور خاموش ہو جاتا ہے۔ تو وہ مومن ہے۔ اور مسلمان ہے۔ مگر اگر اباء کرتا اور استکبار دکھاتا اور اپنے گناہ پر مصر ہے۔ اور اسے مستحسن سمجھتا ہے۔ تو وہ ایمان سے خارج ہو جائیگا۔ محض گناہ انسان کو ایمان سے خارج نہیں کرتا۔ خواہ انسان

ڈائری حضرت خلیفۃ المسیح ثانی

(از قلم شیخ عبد الرحمٰن صاحب قادیانی)

۱۴ ستمبر ۱۹۲۰ء۔ میر میں عبد الاحد خانصاحب کابلی نے سوال کیا۔ کہ حضور کیا کوئی ایسا طریق ہے۔ کہ جس سے ہم حضرت مسیح موعودؑ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھ سکیں۔ فرمایا۔ اسکی کیا ضرورت ہے۔ عبد الاحد نے عرض کیا۔ کہ دلکی خواہش ہے۔ فرمایا۔ ان کو اپنے نفس میں دیکھنا چاہیئے۔ نفس میں دیکھنے سے مطلب ہے کہ انسان ان کے اخلاق اور نمونہ پر اپنے آپ کو قائم کرے۔ اس حالت میں جب ضرورت پڑے گی۔ وہ آئینگے؛ کامل پیروی اور کمال محبت انسان کو اسی مرتبہ تک پہنچا دیتی ہیں۔

ایک روز حضرت صاحبزادہ میرزا بشیر احمدؐ صاحب ساتھ کے کمرے میں قرآن شریف کی تلاوت کر رہے تھے۔ اور حضرت صاحب مسجد میں تشریف فرما تھے۔ حضرت میاں صاحب کی تلاوت سے متاثر ہوئے۔ اور فرمایا کہ ہم غم افسردگی اور اوداسی کا بہترین علاج قرآن کریم ہے۔ اسکے پڑھنے اور غور کرنے سے انسان پر ایک ایسی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ کہ انسان خود بخود تنہائی کو پسند کرنے لگتا ہے۔ اور وہ حالت غم جو دنیا سے علیحدہ کیا جانے کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی۔ دور ہو جاتی ہے۔ اور جس چیز کو انسان پیار کرتا ہے۔ قرآن شریف کی محبت اور مطالعہ و غور سے وہ انسان کی نظر میں حقیر ہو جاتی ہے۔ اور وہ تنہائی انسان کو ہزار مجلس سے بہتر معلوم ہونے لگتی ہے۔ کیونکہ وہ ایک ایسی ہستی کو اپنے قریب پاتا ہے۔ جو تمام محبوبوں سے محبوب ترین ہے؛

کارلائل ایک بہت بڑا مصنف گزرا ہے اس نے تمام فنوں کے باکمال انسانوں کے سرگروہوں کا ذکر کیا ہے۔ انبیاء کے بیان میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ اُن کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے ایک ایسی عجیب کتاب دی گئی۔ کہ اُسے جہاں کہیں اور جب کبھی کھولو تو اول تو دل پر گہرا اثر کرتی ہے۔ اور پھر مجبور کر کے اپنی قدر کراتی ہے؛

اسی ذیل میں بیان فرمایا۔ کہ اسمیں شک نہیں کہ انجیل میں حسن سلوک کی تعلیم خاص طور پر بیان ہوئی ہے۔ اور ایسے امتیازی رنگ میں بیان ہوئی۔ کہ دوسری کسی کتاب میں اس رنگ میں پائی نہیں جاتی انجیل میں خصوصیت سے حسن سلوک کی تعلیم کو ایسے رنگ میں بیان کیا ہے۔ کہ اسکے پڑھنے سے خواہ نخواہ دل پر ایک اثر ہوتا ہے؛

اسکے یہ معنے نہیں۔ کہ انجیل اس معاملہ میں قرآن شریف سے فوقیت لے گئی بلکہ اسکی مثال بعینہٖ ایسی ہے۔ کہ توحید کی تعلیم تمام کتب سماویہ میں موجود ہے۔ مگر قرآن شریف نے جس طریق اور جس حسن اسلوک سے مدلل اور مبرھن کر کے اس تعلیم کا ذکر کیا ہے۔ اور کسی کتاب میں ایسے رنگ میں توحید کا ذکر نہیں پایا جاتا۔ اور دراصل اس سوال کا کوئی جواب نہیں۔ مگر ابھی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیا ہے۔ کہ انجیل میں اعتدال کو قائم نہیں رکھا گیا اور صرف ایک ہی پہلو پر زور دیا ہے مگر قرآن کریم نے اعتدال کو قائم رکھا ہے۔ اور موقعہ اور محل کے لحاظ سے ایک طرف تو عفو درگزر اور تحمل و برداشت کی اجازت دی ہے۔ بشرطیکہ ان سے مفید نتائج برآمد ہوں۔ اور اصلاح ہوتی نظر آوے ورنہ بصورت دیگر دوسرے طریق کو پسند فرمایا ہے۔ تا فساد اور ظلم کی بیخ کنی ہو۔ اور اصلاح پیدا ہو؛

اور در اصل یہی تعلیم کامل تعلیم کہلانے کی مستحق ہے؛

ڈلہوزی سے روانگی کیلئے ۲۰ ستمبر کا دن فیصلہ ہو گیا ہے۔ مگر حضرت صاحب مع تمام ساتھیوں سمیت دونیرہ سے نورپور کو پیدل تشریف لے جائینگے۔ اور مجھے سامان کے ساتھ سیدھا پٹھانکوٹ جانیکا حکم دیا ہے۔ حضور کے نورپور سے واپس پٹھانکوٹ تشریف لانے تک میں پٹھانکوٹ میں انتظار کروں گا؛

ورود مسعود کی ٹھیک تاریخ ابھی مقرر نہیں ہوئی؛

آج حضور کھجیار تشریف لے جاتے ہیں اور کل شام کو واپس تشریف لاویں گے؛

۱۵ ستمبر کی صبح کو حضور کھجیار کی سیر کیواسطے تشریف لیگئے۔ اور ۱۶ کی شام کو بخیریت تمام قافلہ واپس ڈلہوزی پہنچے۔ حضرت۔ اللہ کے فضل سے بہمہ وجوہ بخیریت اور خوش ہیں۔ خدام ہمرکاب بھی خیریت سے ہیں۔ حضرات صاحبزادگان والاتبار بھی اچھے ہیں؛

خطبات تین عدد صاف کر کے حضور کی پیشی میں برائے ملاحظہ ہیں۔ ابھی حضور نے ملاحظہ نہیں فرمایا۔ بعد ملاحظہ ارسال خدمت کرونگا؛

میرے پاؤں میں جوتی کی رگڑ سے زخم ہو گیا ہے اسیوجہ سے کھجیار حضور کے ہمرکاب نہ جا سکا لہذا مفصل حالات ابھی عرض نہیں کر سکتا؛

کھلی چٹھی کا جواب بنام مولوی محمد علی صاحب لکھوی

مولوی لکھوی صاحب! عرصہ ہوا ہے۔ کہ جب ایک باہمی گفتگو کے اثناء میں جو آپ کے اور میرے درمیان مسیح موعودؑ کی بعثت کے متعلق ہوئی تھی۔ میں نے سورۂ جمعہ کی آیۃ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ ؛ وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ کے یہ معنے کئے کہ اللہ تعالےٰ نے امی لوگوں میں انہیں سے ایک رسول بھیجا؛ اور آخرین میں انہیں سے ایک رسول بھیجیگا۔ اور اس آخرین والے رسول سے مسیح موعودؑ مراد لی تھی۔ تو اسپر آپ نے یہہ جرح کی تھی۔ کہ اس آیت میں جو بَعَثَ کا لفظ بصیغہ ماضی ہے اسکے معنے آیت کے پہلے حصہ میں صیغہ ماضی کے اور دوسرے میں صیغہ مستقبل کے کس طرح لئے جا سکتے ہیں۔ شروع میں تو آپکی طرف سے یہہ صرف ایک مطالبہ ہی تھا۔ مگر بعد میں آپ نے ترقی کر کے یہاں تک لکھ مارا۔ کہ اس لفظ بَعَثَ کے دو متضاد معنے ماضی و مستقبل مراد رکھنے کے علاوہ خلاف قاعدہ علوم عربیہ ہونیکے ایسے مفسر کی جہالت کی دلیل بین ہیں۔ اور اس سے بڑھکر آپ نے اپنے علم کل کے زعم میں اور اپنے حسن اخلاق کا ثبوت دینے کے لئے وان لم تفعلوا ولن تفعلوا والی آیت کو بھی اپنی تحریر میں پیش کر دیا؛

افسوس یہ ہے۔ کہ بجائے اسکے کہ بموجب حکم الٰہی انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء علم دین آپ لوگوں کے دلوں میں خشیت الٰہی پیدا کرنیکا موجب ہو۔ اسکے برعکس عجب اور گھمنڈ پیدا کر دیا ہے۔ اور انجاب بلا کبر بنکر آپ لوگوں کی ہدایت یابی کو راستہ میں سخت رکاوٹیں پیدا کر دیتا ہے

مولوی صاحب! دعویٰ تو آپ کا اس قدر زوردار ہے جس سے دیکھنے والا گمان کرے کہ لاجواب ہے۔ مگر جیسے کہ آپ دیکھیں گے۔ اسکی حقیقت سراب سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ اور تار عنکبوت سے زیادہ مضبوطی آپ کے اعتراض میں نہیں؛

جو دیر آپ کے مطالبہ اور خاصکر مطبوعہ کھلی چٹھی کے جواب دینے میں واقعہ ہوئی ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے۔ کہ جب آپ نے اس مناظرہ میں جو آپ کے اور استاذی المکرم حضرت حافظ روشن علی صاحب کے مابین ہوا تھا۔ تو اسوقت میں ایک مسیح موعود کا آنا قبول کر لیا تھا۔ اور اختلاف صرف اسبات میں رہ گیا تھا۔ کہ آیا وہ مسیح موعود حضرت مرزا صاحب ہو سکتے ہیں یا کوئی اور بزرگ اس عہدہ جلیل القدر پر متمکن ہوگا۔ تو اس بات کو تسلیم کر لینے کے بعد کہ آخری زمانہ میں ایک مسیح محمدی علیہ التحیۃ والسلام کی آمد کا وعدہ موجود ہے پھر آیت محولہ بالا پر مزید بحث کرنیکی در حقیقت ضرورت باقی نہ رہی تھی اور یہہ بھی آپ کی ذات سے امید نہ تھی۔ کہ جب علی رؤس الاشہاد آپ ایک بات کا انکار کر چکے ہیں۔ تو بعد میں آپ کو میرے سمجھانے سے فائدہ ہوگا۔ مگر آپ چونکہ آپ حضرت مسیح موعودؑ کی مخالفت اور تکذیب میں از سر نو زیادہ سرگرمی سے حصہ لینے لگے ہیں۔ اسواسطے میں مجبور ہوا ہوں کہ آپ کی علمی قابلیت کی اصل حقیقت کے راز کو طشت از بام کیا جائے؛

مولوی صاحب! مسئلہ مختلف فیہ میں آپ کا سارا زور اسبات پر تھا۔ کہ آیت کریمہ هو الذي بعث في الأميين رسولا الخ میں لفظ بَعَثَ کے معنے ماضی اور مستقبل دونو کے نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ بقول آپ کے قواعد علوم عربیہ کے خلاف ہیں۔ میں اسکے متعلق قرآن کریم سے ایک ایسی مثال پیش کرتا ہوں جو آیت زیر بحث کے ساتھ کمال مطابقت رکھتی ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَأَوْرَثَكُمْ أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَأَرْضًا لَّمْ تَطَئُوهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ؏ سورہ احزاب $\frac{۱۷}{۱۹}$ ع ۲ ترجمہ اللہ تعالےٰ نے تم (مسلمانوں) کو ان (یہود بنی قریظہ) کی زمینوں مکانوں اور مالوں کا وارث بنایا اور ان زمینوں کا بھی (وارث بنائیگا) جنکے اوپر تمنے ابھی پاؤں نہیں رکھا اور اللہ ہر شئے پر قادر ہے؛

آپ کو معلوم ہے۔ کہ اس آیت کے پہلے حصہ میں تو اس ارض اور ان دیار اور اموال کا ذکر ہے۔ جو یہود بنی قریظہ سے اس آیت کے نزول کے وقت تک مسلمانوں کے قبضہ میں آ چکے تھے۔ اور آیت کے دوسرے حصہ [illegible] وارضا لم تطئوھا [illegible] ہے اس سے مراد وہ تمام زمینیں اور ممالک وغیرہ ہیں۔ جو اسوقت تک ابھی مسلمانوں کو نہیں ملے تھے۔ مگر بعد میں ان کے قبضہ میں آنے والے تھے۔ بات تو بالکل صاف ہے۔ مگر شاید آپ کو یہہ خیال پیدا ہو کہ جو کچھہ میں آپکی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ وہ بھی تفسیر بالرائے ہے لہٰذا آپ کے اس وہم کو دور کرنیکے لئے اتنا عرض کروں گا۔ کہ پہلے مفسرین بھی اسبات پر میرے ساتھہ

(باقی) صفحہ ۱۷ میں ملاحظہ فرمائیں